قرآن و حدیث

اور

مولانا کی عارفانہ راہ و روش

ڈاکٹر حسن لاہوتی

مقدمہ

درحقیقت قرآنی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث وہ اہم اور وسیع ترین منابع ہیں جن پر مثنوی کی تعلیمات کی عمارت قائم ہے اور جو مولانا کے افکار کا اصلی محور بھی ہیں۔ واضح رہے کہ مثنوی معنوی کی تعلیمات کی بنیاد کی ترتیب و تنظیم کی خاطر مولانا کے ناقدانہ ذہن اور ان کی پرجوش طبیعت نے جن متعدد و متنوع مآخذ کی سیر کی، ان میں قرآنی آیات و احادیث نبوی کی حیثیت اصل مآخذ کی ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ فرعی ہے۔

مولانا کی نظر میں مثنوی نگاری کا مقصد محض داستان سرائی نہیں، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے مثنوی میں داستانوں اور تمثیلوں کو قرآنی حقائق و احادیث پیغمبرؐ کو بیان کرنے کا وسیلہ قرار دیا ہے اور اپنی غیر معمولی و حیرت انگیز فکری صلاحیت سے کام لیتے ہوئے دقیق ربانی و الٰہی علوم و معارف کو عام فہم بنانے کے لئے داستانوں اور تمثیلوں کی جاذبیت کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حیرت انگیز قوت معمولی انسانوں کی دسترس سے خارج ہے، یعنی عرفان و تصوف کے مشکل مسائل اور کبھی کبھی فلسفیانہ دقایق کو سخنوری کے سادہ طریقوں سے بیان کرنے اور ان نازک مطالب کو عقل و خرد کے لئے آسان بنانے کی جادوئی قوت صرف مولانائے روم کی دسترس میں تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے مروجہ علوم بالخصوص قرآنی علوم و معارف، علم حدیث الٰہیہ نیز عربی و فارسی ادب اور تہذیبی و تمدنی معیار و اقدار سے بخوبی واقف تھے۔ اس کے علاوہ روحانی و معنوی مقامات و مدارج کو طے کرنے کی وجہ سے معرفت شناسی ان کے ذاتی کمالات کا اٹوٹ حصہ بن گئی تھی، جس کے ذریعہ انہوں نے مشکل اور ناممکن مسائل کو ممکن بنادیا اور دقیق و باریک باتوں کو داستانی پیرایہ میں ایسی سادگی سے

پیش کر دیا کہ سب کی سمجھ میں آجائے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر مولانا چاہتے تو مثنوی کو دیگر دانشمندوں کی طرح اپنے زمانہ کی علمی و ادبی راہ و روش کی پیروی کرتے ہوئے چند ابواب وفصلوں میں تقسیم کر سکتے تھے اور اپنی بات ان داستانوں کے بغیر بھی کہہ سکتے تھے جن میں مباحث الٰہی درج ہیں۔ اگر ہم مثنوی کے مطالب کی فہرست پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں داستانوں کا بنیادی کردار ہے۔ اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نے الٰہی داستانوں کو معارف الٰہی کے بیان کا وسیلہ بنایا تا کہ مثنوی پڑھنے والے دلفریب و دلربا داستانوں کو پڑھنے کے شوق میں معرفت ربانی کے اسرار کی وادی تک پہنچ سکیں اور ''مہ رویان بستان خدا'' (خدا کے باغ کے ماہ رویوں کا نظارہ کرسکیں)۔ [۱] (م ن ا/۷۲)

اس ضمن میں مولانا نے جس ہنرمندانہ باریک بینی اور ظرافت سے کام لیا وہ قابل توجہ ہے۔ اس سلسلے میں الٰہی منابع کو دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا طریقہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مولانا نے اپنے ان مآخذ سے اپنی مثنوی میں جملوں کی ساخت اور ان کے مطالب کی نشو ونما کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم ان کے اس طریقۂ خاص کا ظاہری اور باطنی زاویوں سے مطالعہ کرسکتے ہیں۔

مثنوی میں قرآن کریم سے استفادہ کا طریقہ

مولانا جلال الدین بلخی نے مثنوی صاحبان طریقت کی تعلیم اور معرفت وحقیقت کے طلبگاروں کی تسکین وتفہیم کے لئے لکھی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ مثنوی خود قرآن کریم کی منتخب آیات کی تفسیر نظر آتی ہے۔ اس میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو اسے معروف تفاسیر قرآن کے اسلوب سے ممتاز بنادیتی ہیں۔ [۲]

قرآن کریم کے ماہر مسلمان مفسروں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر آیت کے نیچے اس کے ظاہری لغوی معنی لکھے جاتے ہیں اور کلمات کے لغوی معنی اور ان کے مشتقات کا ذکر کردیا جاتا ہے آیات کی شان نزول بیان کی جاتی ہے اور ان سے متعلق حکایات نقل کردی جاتی ہیں۔ یہی طریقۂ کار ہمیں ابوالفتوح کی تفاسیر میں نظر آتا ہے۔ [۳] اور خواجہ عبداللہ انصاری کی تفسیر میں بھی جو تفسیر میبدی کے نام سے معروف ہے، یہی طریقہ کار فرما ہے۔ [۴] ان کے علاوہ قرآنی آیات کی عرفانی تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں، جن سے مفاہیم کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ مولانا کا مقصد قرآن کی تفسیر بیان

کرنا نہیں تھا، لیکن اگر وہ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ ان کے ذہن میں جو مقصد کام کر رہا تھا، وہ لازمی طور پر اس کا متقاضی تھا کہ وہ سوائے کلام خدا اور قول رسولؐ کے کسی دوسرے مآخذ سے استفادہ نہ کریں اور سوائے اس مقدس نور کے کسی اور چیز کو الٰہی اسرار و معارف کے اظہار کا وسیلہ نہ بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی معنوی کی تقریباً چھ ہزار ابیات یعنی مثنوی کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ قرآن کریم کے معنی کی نقل اور ان کے واضح ترجمے و توضیح پر مشتمل ہے۔ ۵ مولانا جامی سے منسوب اس شعر میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ بے وجہ نہیں:

مثنوی معنوی مولوی　　　ہست قرآنی بہ لفظ پہلوی

[مولانا روم کی مثنوی معنوی پہلوی زبان میں قرآن ہے]

اگر چہ مولانا قرآن کی آیات کو اپنے نظریات کی تائید و توثیق کے لئے استعمال کرتے ہیں، لیکن وہ زیادہ تر آیات کو سخنوری کے دوسرے ہی قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ شعر کے وزن کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرآنی آیات میں تقطیع و تصریف سے کام لیتے ہیں۔ اور ان کے الگ الگ حصوں کو ایک یا چند ابیات میں سمو دیتے ہیں مثلاً وہ کبھی ایک مکمل اور ظاہراً اپنے طور پر آزاد حصے کو ایک خاص آیت کی تفسیر کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں اور اس آیت کو عنوان مطالب کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ جیسے سورۂ محمد کی ۳۰ ویں آیت ۷ کی تفسیر یا سورۂ حدید ۸ کی چوتھی آیت کی تفسیر۔ ان آیات کی تفسیر بے شک اپنے سے پہلے اور بعد کے مطالب سے براہ راست مربوط ہے۔ کبھی وہ قرآن کریم کا صرف ایک کلمہ یا چند الفاظ اپنی مرضی کے مطابق تفسیر کے ساتھ مثنوی کی ایک بیت کے ضمن میں لاتے ہیں۔ اس طرح کے نمونے کثرت سے نظر آتے ہیں:

طیبات از بہر کی؟ للطیبین　　　یار را بر کش، برنجان و ببین ۹

(م ن ۱، /۱۴۹۵)

اس بیت میں دونوں کلمے ''طیبات'' اور ''طیبین'' سورۂ نور کی ۶۲ ویں آیت سے ماخوذ ہیں۔ اس طرح معروف بیت دیکھیے:

ما رمیت اذ رمیت خواجہ است　　　دیدن او دیدن خالق شدہ است

(م ن، ۲ / ۳۱۹۷)

یہ سورۂ انفال کی ۱۷ ویں آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسی طرح مولانا کبھی ایک آیت کے فارسی ترجمے

کو مثنوی کی ایک یا چند ابیات میں سمو دیتے ہیں:

داد خود از کس نیابم جز مگر زان کہ او از من بہ نزدیک تر
(م ن، ۱/۲۱۹۶)

اس سورہ میں سورۂ ق کی ۱۶ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے" و نحن اقرب الیه من حبل الورید"

قرآنی آیات کو استعمال کرنے کا یہ طریقہ ثابت کرتا ہے کہ مولانا کو قرآنی آیات کے لغوی معنی، نحوی اور بلاغی ترکیبات اور ان کے باطنی معنی پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا ہر مؤمن مسلمان کی طرح، قرآن کریم کو ہدایت کے راستے کا روشن چراغ سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ارشادات کی صداقت کے لئے قرآن کریم کی آیات سے دلائل پیش کرتے ہیں، لیکن ان کے طریقۂ کار کا امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ظاہری معنی پر نہیں بلکہ قرآن کریم کے صرف باطنی مفاہیم پر توجہ کرتے ہیں۔

مولانا قرآن کو، اس میں مندرج معانی کے لحاظ سے، (ہفت تو) سات سطحوں پر مشتمل سمجھتے ہیں۔[۱۰] اور اس حدیث شریف" للقرآن ظهر و بطن و لبطنه بطن الی سبعه ابطن" کے ذیل میں فرماتے ہیں:[۱۱]

حرف قرآن را مدان کہ ظاہری است زیر ظاہر باطن بس قاہری است
زیر آن باطن یکی بطن سوم کہ در او گردد خردہا جملہ گم
بطن چہارم از نبی خود کس ندید جز خدای بی نظیر بی پدید
(م ن، ۳/۴۶-۴۲۴۴)

جیسا کہ ان ابیات سے ظاہر ہے، مولانا نے اس حدیث کے برخلاف جسے انہوں نے اپنی بحث کا عنوان قرار دیا ہے، قرآن کریم کے صرف چار اندرونی مدارج کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۱۲] وہ قرآن کے تیسرے بطن (سطح) میں عقلوں کو گم دیکھتے ہیں یعنی اہل خرد ان معنی میں الجھے ہوئے اور بے حد حیران ہیں۔ مزید برآں، قرآن کے چوتھے بطن سے سوائے خدا کے کوئی دوسرا آگاہ نہیں۔ اب پہلا اور دوسرا بطن بچتا ہے: یہی سبب ہے کہ قرآن کو ایک شخص سے مثال دیتے ہیں جس کے سوائے ظاہری نقوش کے ہمیں کچھ، اور نظر نہیں آتا اور اس کی جان ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے:

ظاہر قرآن چو شخص آدمی است کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است
(م ن، ۳/۴۲۴۸)

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا مثنوی میں قرآن کے ظاہری معنی اور بلاغی صناعات کے نحوی پیکروں کی طرف متوجہ نظر نہیں آتے، بلکہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کے باطنی مفاہیم یعنی سات سطوح (ہفت تو) رکھنے والے قرآن کے اسی دوسرے سطح کے مفاہیم کی تمثیلات، حکایات اور حتی احادیث اور صاحبان معرفت کے اقوال و اشعار کی مدد سے تفسیر کریں اور اپنے خیالات کی تائید و تصدیق کے لئے دوسرے بطن کے جن اسرار کو منتخب کرتے ہیں، ان کی وضاحت کریں۔ مولانا ظاہری معنی سے نہایت صراحت سے گذر جاتے ہیں۔ حتی وہ اس کے بھی معتقد ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن کے ''غیر قال'' یعنی ظاہری کلمات کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا تو اس کا شمار اصحاب ضلال میں ہوگا۔ کیونکہ ایک نابینا آنکھ سورج کی گرمی کے علاوہ اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرتی:

خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی بہر محجوبان مثال معنوی
کہ ز قرآن گر نبیند غیر قال این عجب نبود ز اصحاب ضلال
کز شعاع آفتاب پر ز نور غیر گرمی می نیابد چشم کور
(م ن، ۳/۳۱-۴۲۲۹)

ابتدائی دور میں، مثنوی پر یہ اعتراض اور طعنہ زنی کی جاتی تھی کہ اس میں پرمایہ اور ارفع خیالات کا ذکر موجود نہیں ہے مثلاً اولیاء کے بلند پرواز افکار جن میں دنیا سے کنارہ کشی اور حق میں فنا و بقا کے اسرار پوشیدہ ہیں۔

از مقامات تبتّل تا فنا پلّہ پلّہ تا ملاقات خدا
(م ن، ۳/۴۲۲۹)

اس کے علاوہ طریقت کے وہ مراتب و منازل جو صاحبان دل کو حقیقت تک پہنچاتے ہیں، نظر نہیں آتے بلکہ یہ سراسر قصۂ پیغمبر و پیروی ہے۔ اسی طرح پیمبر کی پیروی کی ضرورت بھی نہایت سادہ انداز سے بیان ہوئی ہے۔ (م ن، ۳/۴۲۳۳)۔ مولانا نے ان ظاہر بین معترضین کے جواب میں، جو مثنوی کے باطنی معنی و مفہوم کے ادراک سے محروم تھے، ایک مثال پیش کی ہے کہ جب قرآن، خدا کی کتاب، نازل ہو رہی تھی، دور جاہلیت کے کافر طعنہ دیتے تھے کہ اس کتاب میں سوائے اساطیر، پہلے

کے قصے اور منتشر و فرسودہ افسانوں کے، دوسرے مطالب نظر نہیں آتے۔ چوں کہ قرآن کے باطنی معنی یعنی کم از کم وہی دوسرے بطن کے مفاہیم جن کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے، کو سمجھنے سے قاصر تھے، اس کی صرف ظاہری صورت دیکھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قرآن میں یوسف کی خوبصورتی، یعقوب کی پریشانی اور زلیخا کے عشق کی بات کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اس میں بچوں کے لئے باتیں ہیں کہ وہ یہ سیکھیں کہ کونسا کام پسندیدہ ہے اور کونسا ناپسندیدہ، اس میں تحقیق و تعمیق نظر نہیں آتی۔ (م ن ۳/۴۱-۷ ۴۲۳)۔ مولانا نے نہایت ظرافت سے مثنوی پر طعنہ کسنے والوں کو سمجھایا ہے کہ تم بھی دور جاہلیت کے انہی کافروں کی طرح مثنوی کے دوسرے بطن کے بلند و اعلی مفاہیم و معانی سے بے خبر ہو۔ اگر یہ مثنوی تمہاری نظر میں سادہ سی تصنیف اور بے وقعت چیز ہے تو اس کی مانند ایک بیت لاؤ اور پھر قرآن پر طعنہ کشی کرنے والوں کو خود خدا کے کلام کے مناسب فارسی ترجمے سے جواب دیتے ہیں:

گفت: اگر آسان نماید این بہ تو — این چنین آسان یکی سورہ بگو
جنّان و انستان و اہل کار — گو یکی آیت از این آسان بیار
(م ن، ۳/۴۳-۴۲۴۲)

ایک دوسری جگہ مولانا اپنی بات کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات کے معانی کو محض کسبی علم اور تدریسی دانش کے بل بوتے پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ کلام خدا میں پوشیدہ حقائق تک رسائی کے لئے، دنیوی تعلقات سے جو کچھ بھی ہیں، رشتہ توڑنا پڑتا ہے اور ایسے مرتبے پر پہنچنا ہوتا ہے کہ دل و جان روح قرآن میں اس طرح گھل مل جائے جیسے پھول اور اس کی خوشبو:

معنی قرآن ز قرآن پرس و بس — وز کسی کآتش زدہ ست اندر ہوس
پیش قرآن گشت قربانی و پست — تا کہ عین روح او قرآن شدہ ست
روغنی کاو شد فدای گل بہ کل — خواہ روغن بوی کن، خواہی تو گل
(م ن، ۵/۳۰-۳۱۲۸)

اس گفتگو اور قرآن کریم سے استشہاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جلال الدین اپنی مثنوی کو قرآن کریم کی آیات حق کی تفسیر سمجھتے ہیں اور اس میں درج معارف کو کم از کم دوسرے بطن کے درجے میں رکھتے ہیں۔

مثنوی میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مولانا جب موضوع بحث کو سننے والے کے فہم سے بالاتر محسوس کرتے تھے اور شاید بحث کو آگے بڑھانے کو دوسرے کے مرتبے سے جو ان کی نظر میں ہوتا تھا، بلند تر جانتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی بات کے دامن کو دوسرے مراتب اور بطون تک پہنچائیں تو مختلف بہانوں سے مثلاً اس کے فتنہ انگیز ہونے (م ن، ۳/۴۰۸۷) اور اس ڈر سے کہ کہیں سننے والے کے پیر پھسل نہ جائیں (م ن، ۳/۳۶۰؛ ۳/۲۹، ۱۹۸۱۱۳)، دوسرے اسرار کو فاش کرنے سے قلم روک لیتے تھے۔ مثلاً جب بات نورحق کے منتشر نہ ہونے (بہ افتراق نپذیرفتن نورحق م ن، ۲/۱۸۹) کی ہوتی اور یہ توقع کی جارہی ہوتی کہ یہ رمز و راز سے معمور اس مفہوم کو مزید وضاحت سے بیان کیا جائے تو مولانا اس بات کی گرانباری سے جسم کی ناتوانی اور تن کے بندھنوں کے ٹوٹ جانے کے ڈر سے، فوراً اپنی زبان بند کرلیتے تھے اور تنہا یہ نکتہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے کہ انسانی روح واحد ہے چوں کہ خداوند تعالی نے اس پر اپنے نور کی بارش کی ہے: ۱۳

در بیان نآید جمال حال او — ہر دو عالم چیست؟ عکس خال او
چون کہ من از خال خوبش دم زنم — نطق می خواہد کہ بشکافد تنم
ہمچو موری اندرین خرمن خوشم — تا فزون از خویش باری می کشم
(م ن، ۲/۳۹-۱۹۱)

یا جب وہ عشق کے بارے میں اپنے خیالات کے جوہر دکھاتے ہیں تو شرمندگی کے اظہار کے ساتھ اس کی وضاحت کو بے زبان عشق کے سپرد کردیتے ہیں:

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان — چون بہ عشق آیم خجل باشم از آن
گرچہ تفسیر زبان روشن گر است — لیک عشق بی زبان روشن تراست
چون قلم اندر نوشتن می شتافت — چون بہ عشق آمد قلم بر خود شکافت
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت — شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت
آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلت باید از وی رو متاب
(م ن، ۱/۶۱-۲۱۱)

اور ایک دوسری جگہ جب دوست احباب یہ چاہتے ہیں کہ فیوضاتِ شمس تبریزی کے رمز کی شرح (شرح رمزی) مولانا بیان کریں (م ن، ۱/۱۲۴)، تو وہ یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں کہ یک رگم ہشیار

نیست، (م ن، ۱/ ۱۳۰) اور شمس کے باطنی اسرار کے بیان کو دوسرے کسی وقت پر ٹالنے سے گویا وہ شرمندگی کا احساس کرتے ہیں تو یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "سر دلبران" (دلبروں کے بھید) دوسروں کے بارے میں گفتگو کے ضمن میں سننا بہتر ہے اور وہ بھی بہت وضاحت اور کھول کر نہیں (م ن، ۱/ ۷-۱۳۵۳) احباب اصرار کرتے ہیں اور بالآخر مولانا انہیں ڈانٹتے ہیں تنبیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر میں اس کے اسرار کو لوگوں کے درمیان بے پردہ اور آشکارا کردوں اور اس کے اوصاف کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ظاہر کردوں اور اسرار و پوشیدگی کو فاش وعیاں کردوں، تو ایک شخص بھی درمیان میں نہیں رہے گا اور تمہاری ہستی اور نیستی سب برباد ہوجائے گی بالکل اسی طرح جیسے اگر دنیا کو روشن و منور رکھنے والا آفتاب عالم تاب اگر ذرہ برابر روئے زمین سے قریب تر آجائے تو دنیا جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوجائے گی پس شمس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی خواہش فتنہ جوئی آشوب پروری اور خونریزی کے مترادف ہے:

گفتم ار عریان شود او در عیان نی تو مانی، نی کنارت، نی میان
آفتابی کز وی این عالم فروخت اندکی گر پیش آید جملہ سوخت
فتنہ و آشوب و خون ریزی مجو بیش از این از شمس تبریزی مگو
(م ن، ۱/ ۴۲-۱۳۹)

یہ صحیح ہے کہ اس ہنرمندانہ طریقے سے مولانا درحقیقت بعد میں آنے والے مطالب کے لئے ایک راہ گریز مہیا کرتے ہیں، لیکن گریز کے یہ طریقے ہمیشہ ہم معنی اور ہم شکل عبارات کی صورت میں نہیں ہوتے، وہ کلمات جو وہ ہر بار اپنی زبان پر لاتے ہیں، ضرورت کے مطابق ان کے فکر کا نتیجہ بنتے ہیں اور مطلب بیان کے مطابق بھی، ایک لمحاتی اور فوری تصور کے ترجمان ہوتے ہیں اور جس سے آسانی سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نوعیت کی عبارات اور کلمات کو مثنوی میں محض ایک موضوع سے دوسرے موضوع کو بیان کرنے کے لئے گریز ہی نہیں سمجھا جاسکتا اور مولانا کے اس لمحے کے روحانی حالات کو بے ربط بھی نہیں کہا جاسکتا ہے، خواہ کہیں کہیں ایسا ہی کیوں نہ ہو؟

مثنوی میں ایسے اشعار موجود ہیں جن میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ مولانا اس کے مجاز نہیں کہ وہ حقائق کو زیادہ واضح طور پر افشاں کریں۔ چھٹے دفتر کے آغاز میں مولانا یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ اگر

اس کے بعد ''دستوری رسد، رازہای گفتنی'' (حکم ملا کہ برملا کرنے والے رازوں کو) ان پوشیدہ کنایات سے زیادہ واضح عبارت میں بیان کیا جائے تو وہ ایسا کریں گے:

بو کہ فیما بعد دستوری رسد　　رازہای گفتنی گفتہ شود
با بیانی کہ بود نزدیک تر　　زین کنایات دقیق مستتر

یا جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ زیر بحث موضوع اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ شاید مخاطب اس کو سمجھنے کی قوت نہ رکھتے ہوں تو وہ اس کا اقرار کر لیتے ہیں:

بعد از این باریک خواہد شد سخن　　کم کن آتش، ہیزمش افزون مکن
تا نجوشد دیگ ہای خرد زود　　دیگ ادراکات دور است و فرود
(ن م، ۶/ ۳-۸۲)

اور اس طریقہ سے وہ بات کو معنی کے اسی دوسرے مرتبے یا بطن سے آگے نہیں لے جاتے۔

حدیث نبوی سے استفادہ

واضح رہے کہ قرآنی آیات کی طرح مولانا احادیث نبوی کو بھی اسی نگاہ اور طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی مثنوی میں احادیث، اخبار اور روایات سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ 'احادیث مثنوی' نام کی کتاب میں ان ۵۴۷ احادیث کا ذکر ہے جو مختلف صورتوں سے مثنوی میں استعمال ہوئی ہیں اور ان کے اصلی مآخذ کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ ۱۵

ان احادیث کو بھی مولانا اسی انداز سے استعمال کرتے ہیں جس طریقے پر انہوں نے آیات قرآن حکیم سے استفادہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی ایک خاص حدیث کو ایک مستقل عنوان دے دیتے ہیں اور عنوان کے بعد آنے والے اشعار میں اس حدیث کے معنی اور اس کی مفصل شرح پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر "تفسیر رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر" ۱۶

وہ کبھی ایک حدیث کو عنوان میں شامل کرتے ہیں اور اس کے فارسی ترجمے کو عنوان کے ذیل میں آنے والے اشعار میں نقل کرتے ہیں، جیسے ''تفسیر دعای آن دو فرشتہ کہ ہر روز بر سر ہر بازاری منادی می کنند کہ اللهم اعط کل منفق خلفاً، اللهم اعط کل ممسک تلفاً.....'' ۱۷

گفت پیغمبر کہ دایم بہر پند　　دو فرشتہ خوش منادی می کنند

کای خدایا منفقان را سیر دار　　ہر درمشان را عوض دہ صد ہزار
ای خدایا ممسکان را در جہان　　تو مدہ الا زیان اندر زیان
(م ن، ۱/ ۳۴-۲۲۲۳)

یعنی پیغمبرؐ گرامی کا ارشاد ہے کہ دو فرشتے لوگوں کی نصیحت و ہدایت کی خاطر ہمیشہ یہ منادی کرتے رہتے ہیں کہ خدایا حق کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو ہمیشہ آسودہ و مطمئن رکھ اور انہیں ہر درہم کے عوض لاکھ درہم عطا کر اور کنجوس لوگوں کو اس دنیا میں یکے بعد دیگرے مختلف النوع نقصانات میں مبتلا رکھ۔

مولانا کبھی حدیث کے ایک ٹکڑے کو اس کے فارسی ترجمے اور کبھی اس کی نحوی شکل کو بدل کر مثنوی کے دوسرے اشعار کے درمیان میں جگہ دیتے ہیں:

رو کہ بی یسمع و بی یبصر تویی　　سرتویی: چہ جای صاحب سرتویی؟[۱۸]
چون شدی من کان للہ از دلہ　　من تو را باشم کہ کان اللہ لہ[۱۹]
(م ن، ۱/ ۳۹-۱۹۳۸)

یعنی اے میرے مالک! سننے اور دیکھنے کے لئے تو کان اور آنکھ کا محتاج نہیں ہے بلکہ تو کان و آنکھ کے بغیر سمیع و بصیر ہے۔ سر اور صاحب سر بھی تو ہی ہے۔ مختصر یہ کہ کائنات میں بس تو ہی تو ہے۔

کبھی حدیث کی عین عبارت کو مولانا اس کے فارسی ترجمے کے بغیر جوں کا توں، نحوی ساخت میں تبدیلی کے ساتھ، اشعار میں لے آتے ہیں:

روی ناشستہ نبیند روی حور　　لاصلوۃ گفت الا بالطہور[۲۰]
(م ن، ۳/ ۳۰۳۳)

یعنی اپنے چہرہ کی صفائی و پاکیزگی کے بغیر حور کی زیارت ناممکن ہے کیونکہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ادا کی جاسکتی۔

اور کبھی وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایک مکمل حدیث کا فارسی ترجمہ مثنوی کے ابیات میں نقل کردیں:

صد خورندہ گنجد اندر گرد خوان　　دو ریاست جو نگنجد در جہان[۲۱]
(م ن، ۱/ ۵-۵۲۶)

یعنی سو قناعت پسند افراد ایک دسترخوان پر کھانا کھاسکتے ہیں لیکن ایک ملک کے دو حاکم و سربراہ

مملکت نہیں ہو سکتے۔

اس کے علاوہ احادیث نبوی کا دلکش منظوم ترجمہ بھی مثنوی معنوی میں نہایت پسندیدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نگنجم در خم بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز　　من نگنجم این یقین دان ای عزیز
در دل مؤمن بگنجم، ای عجب　　گر مرا جویی از آن دلہا طلب
(م ن، ۱/۵۶-۲۶۵۳)

یعنی پیغمبرؐ گرامی کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان اور عرش کی بلندی اور سمندر کی گہرائی میں نہیں سما سکتا۔ پس اگر کوئی خدا طلب اپنے محبوب حقیقی کو تلاش کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ قلب مومن میں اسے تلاش کرے کیونکہ مومن کا قلب درحقیقت مسکن الٰہی ہے۔

ان ابیات کی بنیاد یہ حدیث ہے: لم یسعنی ارضی و سمائی و وسعتی قلب عبدی المؤمن ۲۲ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جملہ محققین قرآنی آیات اور احادیث نبوی پر مولانا کی مہارت کاملہ کے معترف ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ قرآنی علوم و معارف کو نئی نحوی ترکیبات کے ساتھ فارسی شاعری کے قالب میں ڈھالنے کا ملکہ بھی مولانا کو حاصل تھا۔

اسی طرح نہایت اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ صرف قرآنی آیات و احادیث ہی نہیں بلکہ ہر بات جیسے تمثیلات، شعراء مثل سنائی و عطار کے طویل اشعار اور مختصر داستانوں کو جو مثنوی کے ایک بڑے حصے کی تشکیل کرتی ہیں، خواہ وہ کسی بھی مأخذ سے لی گئی ہوں، مولانا ایسی مخصوص مہارت سے اپنے مقصد کے مطابق ان میں تبدیلی اور رد و بدل کرتے ہیں اور انہیں اس قدر استادانہ طور پر اپنے منظوم اور ہوش ربا کلام میں ڈھال دیتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مأخذ کی طرف اشارہ نہ کریں اور پڑھنے والا اس کے مضمون و مطلب سے پہلے سے آگاہ نہ ہو، تو اس کا پہچاننا مشکل ہے اور بسا اوقات امکان پذیر ہی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مولانا اپنے مخصوص اعتقاد کے بموجب جس میں ظاہر کو نظرانداز کرنے اور آیات و احادیث کے باطنی معنی کی طرف توجہ کرنے کو اہمیت دی گئی ہے، اپنے اخذ کردہ مطالب کو ایسے

مضامین کے قالب میں پیش کرتے ہیں کہ مختلف درجات میں اس کلام کے ظاہری معنی کے درمیان فاصلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مولانا قرآنی آیات وغیرہ شواہد کے وسیلے سے عبارت کے صریح لغوی اور ظاہری معنی کو پیش کرنے کا قصد کریں، بلکہ وہ انہیں ایک نکتے کے ثبوت اور اس کی تائید میں استعمال کرتے ہیں، تاکہ پڑھنے والا چند بیت پڑھنے اور موضوع سے واقفیت کے بعد یہ سمجھ لیتا ہے کہ مولانا باطن کو واشگاف کرنے اور عبارت کے اندرونی مفہوم پر توجہ کے بعد موضوع کی شرح وتفصیل یا تفسیر وتعبیر کرتے ہیں، حتی کہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک آیت یا ایک حدیث کو مختلف جگہوں اور مضامین میں استعمال کرتے ہیں اور ان سے مختلف معنی نکالتے ہیں۔ اس وقت ہم اس سلسلے میں صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے، ایک قرآن کریم سے اور دوسری حدیث نبوی سے:

مولانا اصحاب کہف کے خواب کے قرآنی راز کو، جہاں تک ہم نے اس مقالے کی تالیف کے لئے جستجو کی ہے، تین جگہ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ اولیاء کو اصحاب کہف کی مانند بتایا ہے اور قرآنی کلمات "ذات الیمین و ذات الشمال" (سورہ ۱۸، آیت ۱۸) کو نیک اعمال اور جسمانی شغل یعنی اولیاء کے دنیوی امور سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا اس آیت کے مفہوم پر توجہ سے یہ سمجھ لے کہ اولیاء اللہ اس کے باوجود کہ انہیں بیدار دیکھتے ہو، درحقیقت حالت خواب میں ہیں یعنی انہوں نے اس دنیا سے آنکھیں بند کرلی ہیں، لیکن ارادہ الٰہی کے تابع ہیں اور خدا ہی ہے جو انہیں دائیں بائیں کرتا ہے یعنی ان میں جو تبدیلی و دگرگونی رونما ہوتی ہے وہ منجانب خدا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کے باطنی معنی، مولانا کی نظر میں یہ ہیں کہ ماسوی اللہ کے سب سے آنکھیں بند کرلو اور خدا کے فرمان اور اس کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کردو:[۲۳]

اولیا اصحاب کہف اند ای عنود — در قیام و در تقلب ''ہم رقود''
می کشد شان بی تکلف در فعال — بی خبر ذات الیمین ذات الشمال
چیست آن ذات الیمین؟ فعل حسن — چیست آن ذات الشمال؟ اشغال من
(م ن، ۱/۸۹-۳۱۸۷)

یعنی اصحاب کہف اولیاء الٰہی ہیں، چاہے وہ جس عالم میں ہوں وہ اپنی مرضی سے نقل وحرکت نہیں کرتے، بلکہ یہ خداوند عالم کی ذات بابرکت ہے جو انہیں دائیں اور بائیں طرف لے جاتا ہے۔ ذات الیمین کیا ہے؟ اعمال حسنہ اور ذات الشمال کیا ہے؟ ہمارے مشاغل۔

اس لطیف عارفانہ تفسیر کے ساتھ ہی ساتھ، جس میں اولیاء اور ان کے اعمال کو اصحاب کہف کے چند سالہ خواب سے مشابہ قرار دیا گیا ہے، جو بہرحال خدا کے محبوب بندوں کی ستائش ہے۔ ایک دوسری جگہ مولانا اصحاب کہف کے اس قرآنی استعارہ کو ایک صوفی کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں جو بہت بولتا ہے، بہت کھاتا ہے اور بہت سوتا ہے:

در سخن بسیار گو ہم چون جرس　　در خورش افزون خورد از بیست کس
در بخسپد ہست از اصحاب کہف　　صوفیان کردند پیش شیخ زحف
(م ن، ۲/۱۰-۳۵۰۹)

یعنی جو گھنٹے کی طرح بولتا ہی چلا جاتا ہے اور کھاتے وقت بیس سے زیادہ لوگوں کا کھانا اکیلے کھا جاتا ہے اور جب سوتا ہے تو اصحاب کہف کی طرح گہری اور طولانی نیند میں ڈوب جاتا ہے۔ اس لئے اصحاب کہف کے خواب سے جو دوسرے باطنی معنی ہم مولانا کے فکر کی بنیاد پر سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ حد سے زیادہ سونا قابل مذمت ہے اور انسان کو "قلت المنام" کم خوابی کا طریقہ نہ صرف اپنی روح کی پرورش کے لئے بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کے لئے اختیار کرنا چاہئے کہ اگر اصحاب کہف کی طرح اس کے سر کی آنکھیں بند ہو جائیں تب بھی اس کے دل کی آنکھیں یا کشف المحجوب کی تعبیر کے مطابق جس کو مولانا نے بھی بار بار استعمال کیا ہے، اس کی "چشم سر" خیال کی آنکھیں بیدار رہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "تنام عیناى و لاینام قلبی" یعنی میری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا ہے۔ ۲۴

گفت پیغمبر کہ عیناى تنام　　لاینام قلب عن رب الانام
چشم تو بیدار و دل خفتہ بہ خواب　　چشم من خفتہ، دلم در فتح باب
(ن م، ۲/۵۱-۳۵۴۸)

یعنی پیغمبر گرامی کا ارشاد ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن قلب محو خواب نہیں ہوتا لیکن تیری آنکھیں بیدار مگر دل خواب گراں میں محو رہا کرتا ہے۔

تیسری جگہ جب خزاں کی سرد مہری کا ذکر ہوتا ہے کہ سبزہ اور درخت اس بدصورت اور بدخو دوست کے دیدار سے محفوظ رہنے کے لئے، اپنا سر خواب کی چادر کے نیچے چھپا لیتے ہیں، تو مولانا کی باطن بیں آنکھ پھر اصحاب کہف کو مجسم دیکھتی ہے، جنہوں نے زمانے (دقیانوس) کے جبار حاکم کے

دست ستم سے نجات کی خاطر خواب کے غار میں پناہ لی ہے۔ مولانا اس خواب کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور چونکہ اس میں عقل و دانش شامل ہے، اس لئے اسے بیداری کہتے ہیں۔ یعنی اگر آدمی شر سے فرار کے لئے اپنی آنکھوں کو گندگیوں کی طرف سے بند کرلے اور خدا کی طرف سے سزا کی امید پر خود کو ان کی تیغ ستم سے محفوظ رکھے، تاکہ خدا انہیں ہلاک کردے، اور انہیں موت دے، یہ اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ ان سے آمنے سامنے کی لڑائی لڑنے لگے اور ہلاک ہوجائے:

خواب بیداری است چون بادانش است — وای بیداری کہ با نادان نشست
زان کہ زاغان خیمہ بر بہمن زدند — بلبلان پنہان شدند و تن زدند
زان کہ بی گلزار بلبل خامش است — غیبت خورشید بیداری کش است
(م ن، ۲/۳۱-۳۹)

یعنی وہ خواب درحقیقت بیداری ہے جو عقل و دانش کے ساتھ ہو، ایسی بیداری کس کام کی کہ مرد بیدار ایک نادان شخص کا ہمنشین بن جائے۔ جب کوؤں نے بہمن پر اپنا گھونسلہ بنالیا تو بلبلوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی، کیونکہ گلستان کے بغیر بلبل خاموش رہا کرتی ہے اور خورشید کی ناموجودگی بیداری کش ہوتی ہے۔

کلیلہ و دمنہ میں نخچیر و شیر کی داستان دو صفحے سے زیادہ کی نہیں ہے۔ ۲۵ مولانا نے یہ داستان کلیلہ و دمنہ سے اخذ کی ہے اور اس داستان کو ''اہم عرفانی اور فلسفیانہ امور جیسے توکل، کسب، قضا و قدر کی تاثیر اور اس کے متعلقات، جبر و اختیار کا مسئلہ اور ملکیت کے ضد و نقیض نہ ہونے کا موضوع، اور دنیا میں رہنے سہنے کے امور زہد و توکل کے ساتھ، حق تعالی کا ظہور و خفا، دنیا کی حقیقت کا بہاؤ، حرکت جوہری، مجاہدۂ نفس اور دیگر نکات کے بیان کرنے کے لئے نظم کیا ہے اور اس کے ضمن میں قصے اور چند حکایتیں بھی نقل کردی ہیں اور ان مسائل میں سے متعدد کو قوی دلیل و برہان یا محسوس امور کی مثالیں دے کر، دینی عقاید و روایات کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۲۶

یہ قابل ذکر ہے کہ مولانا ان داستانوں میں ایسے نکتے دیکھتے ہیں جو صرف ان کی چشم باطن انہیں دکھاتی ہے اور یہی باطن بینی اس بات کا سبب بنتی ہے کہ وہ ہر نکتے سے ایک بلند اور عظیم معنی پیدا کریں اور اس کی شرح و وضاحت کریں، اسی وجہ سے کلیلہ و دمنہ کی ایک مختصر داستان ایک طویل اور

پررمز و راز داستان میں تبدیل ہوگئی، جو مثنوی میں ۳۰ صفحات اور ۴۸۹ ابیات پر مشتمل ہے۔[۲۷]

ایک سادہ ترین اور واضح ترین معروف حدیث جو مولانا نے اس داستان میں بیان کی ہے: "المؤمن مراۃ المؤمن" جیسا کہ کلیلہ و دمنہ میں بھی آیا ہے خرگوش بالاخرہ کامیاب ہوجاتا ہے کہ شیر کو فریب دے اور اسے ایک صاف ستھرے پانی کے کنویں تک لے آئے جو اس کی قربان گاہ بھی ہے۔ جب شیر اپنا چہرہ اس صاف پانی میں دیکھتا ہے، تو سوچتا ہے کہ اس کا دشمن اس کنویں میں ہے اور اس کے حملے کا کھانا اسی کی آغوش میں ہے، اس لئے غصے اور لالچ میں خود کو کنویں میں گرادیتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ مولانا اس جگہ اس باطنی معنی تک پہنچے ہیں کہ شیر برائیوں اور گندگیوں کو جنہیں وہ ایک دوسرے شیر سے منسوب کرتا تھا، دور کرنے کے لئے ہلاکت کے کنویں میں گرگیا، جب کہ وہ مجسم برائیاں کنویں کے صاف پانی کے شیر میں نہیں تھیں بلکہ وہ تو خود اس کی گندی سیرت وصورت کی ایک واضح تصویر تھی۔ انسان بھی خود اپنی ناپسندیدہ عادتوں کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو برائیاں وہ دوسروں میں دیکھتا ہے، وہ خود اس کی اپنی برائیاں ہوتی ہیں۔

یہ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ "مؤمنان آیینۂ ہمدیگرند" (مؤمن ایک دوسرے کا آئینہ ہیں) (م ن، ۱/۱۳۲۸) ہیں۔ اور اگر ہم اس باطنی بینش تک رسائی حاصل کرلیتے تو اپنے کردار و رویے کو شاید دوسروں کے کردار و رویے کے آئینے میں دیکھتے اور خود کی سرزنش کرتے اور اس شیر کی مانند اپنے ہی دشمن ہوجاتے، خود اپنے پر حملہ کرتے، خود اپنے سے جنگ یعنی جہادنفس کرتے اور اپنے آپ یعنی خودبینی و خودپرستی کو درمیان سے ہٹالیتے اور اس طرح ہماری سیرت وصورت کی گندگیاں ختم ہوجاتیں:

ای بسا ظلمی کہ بینی در کسان — خوی تو باشد در ایشان ای فلان
اندر ایشان تافتہ ہستی تو — از نفاق و ظلم و بدمستی تو
آن تویی وان زخم بر خود می زنی — بر خود آن ساعت تو لعنت می کنی
در خود آن بد را نمی بینی عیان — ورنہ دشمن بودیی خود را بہ جان
حملہ بر خود می کنی ای سادہ مرد — ہمچو آن شیری کہ بر خود حملہ کرد
چون بہ قعر خوی خود اندر رسی — پس بدانی کز تو بود آن ناکسی

(م ن، ۱/۲۴-۱۳۱۹)

یعنی اے لوگوں کی برائی اور عیب جوئی کرنے والے درحقیقت یہ تیری بری عادتوں کی جھلک ہے

جو تجھے دوسرے انسان میں دکھائی دیتی ہے۔ اپنے نفاق وظلم و بدمستی کی وجہ سے تو نے اپنی زندگی کو اس کے اندر دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ وہ درحقیقت تو خود ہے اور یہ زخم اپنی ذات پر تو خود لگا رہا ہے اور دوسرے پر نہیں بلکہ خود اپنی ذات پر لعنت کر رہا ہے۔ تو اپنی ذات میں ان برائیوں کی تلاش نہیں کرتا ورنہ تو خود اپنا ذاتی دشمن بن جاتا۔ تو دوسرے پر نہیں بلکہ کنویں کے شیر کی طرح خود اپنی ذات پر حملہ آور ہے۔ جب تجھ کو اپنی بری عادتوں کی گہرائی تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ساری خرابیاں جو تو دوسروں میں تلاش کر رہا تھا، خود تیری ذات سے متعلق ہیں۔

مثنوی کے دوسرے دفتر کے شروع کے اشعار میں حدیث "المؤمن مرآۃ المؤمن" کو ہم دوبارہ دیکھتے ہیں، لیکن یہاں "نخچیران و شیر" کی داستان کے مقابلے میں ایک مکمل طور پر دوسرے ہی پہلو سے اسے پیش کیا گیا ہے۔

مولانا موضوع کی مناسبت سے اس حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے بات کرتے ہیں کہ آدم ابوالبشر نے "ذوق نفس" کی خاطر ایک قدم بڑھایا اور اس کے نتیجے میں جنت سے فراق کا طوق ان کی گردن میں ڈال دیا گیا (م ن، ۲/۱۶) حالانکہ اگر وہ مشورہ کرتے تو ممکن تھا کہ ابلیس کے دھوکے میں نہ آتے اور مجبور نہ ہوتے کہ پشیمانی کی وجہ سے معافی کے لئے ہاتھ اٹھائیں:

گر در آن ایام کردی مشورت — در پشیمانی نگفتی معذرت
زان کہ با عقلی چو عقلی جفت شد — مانع بدفعلی و بدگفت شد
نفس با نفس دگر چون یار شد — عقل جزوی باطل و بی کار شد

اگر تو نے اسی زمانہ میں مشورہ کر لیا ہوتا تو آج تجھے معذرت و شرمندگی کا اظہار نہ کرنا پڑتا۔ جب ایک صاحب عقل دوسرے صاحب عقل سے متصل ہو جاتا ہے تو ہر طرح کی بدکرداری و بدگفتاری کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور جب ایک نفس دوسرے نفس کے ساتھ متحد ہو جائے تو انسان کی تھوڑی بہت عقل بھی بیکار ہو جاتی ہے۔

مولانا کو اب یہ موقع ملتا ہے کہ وہ مثنوی پڑھنے والے کو یہ باریک نکتہ یاد دلائیں کہ مؤمن آئینہ ہے مؤمن کا (م ن، ۲۰/۳۰) اور ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ اغیار یعنی دنیا کے ابلیسوں سے منھ موڑ لیں اور محرموں یعنی خورشید جیسے دل والے افراد، خدا کے دوست اور اہل بصیرت حضرات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگیں، جو اپنی ہدایت اور مشورت سے ہماری نجات کا وسیلہ ہوں۔ اس لئے کہ ان کی

مفید ہدایت سے بہرہ ور ہوں، ہمیں انہیں رنجیدہ نہیں کرنا چاہئے تاکہ مشورت و ہدایت کے نور کی تابش کا حامل ان کے باطن کا آئینہ ملال کی گرد اور کدورت کے غبار سے دھندلا نہ جائے اور وہ ''آفتاب معرفت'' کی صفات کو روشنی میں دکھاسکیں، ہماری آنکھوں کے سامنے لاسکیں اور اس طرح ہم شیطانی نفس کے فریب سے نہ لڑکھڑا جائیں اور جنت سے فراق کا طوق ہماری گردنوں کو جھکا نہ پائے۔ چونکہ مومن آئینہ ہے مومن کا، اس لئے ہمارا مشورہ کرنا ہمیں آخرکار برے کاموں کی پشیمانی سے دور رکھتا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ حقیقی مومن مولانا کی نظر میں وہ ہے کہ جو ہر چیز کو خدا کے نور میں دیکھتا ہے اور جس کی چشم باطن اور دل کی آنکھ کو خدا کے نور سے بینائی ملتی ہے اور اس پر غیبی معنی آشکار ہوتے ہیں۔ اس طرح کا دعوی کرنے والے بہرحال بہت ہیں:

مومن از بنظر بنور اللہ نبود　　غیب مومن را برہنہ چون نمود[۲۹]
چون کہ تو بنظر بنار اللہ بدی　　نیکوئی را وا ندیدی از بدی
(م ن، ۲/۲-۳۳۱)

نتیجہ

اگر ہم یہ تسلیم نہ بھی کریں کہ قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مولانا کے استفادہ کرنے کا طریقہ، اللہ تعالی کی ان تعلیمات کے باطن پر نگاہ رکھنا ہے اور اسی انداز سے وہ ان کی تعبیر وتفسیر بھی کرتے ہیں اور جیسا کہ اس مقالے میں مختصراً کہا گیا ہے کہ انہیں اپنے بلند و بالا افکار کی تائید وتصدیق میں استعمال کرتے ہیں، تو کم از کم ہم بلاتردید یہ مان سکتے ہیں کہ اس طرح کے خداوندی معتقدات پر مولانا ایک مختلف زاویے سے نگاہ ڈالتے ہیں اور وہ ان پر دنیا سے سلوک اور وادی طریقت کے دروازے کھولتے ہیں، اور مثنوی پڑھنے والوں، یعنی عالم حقیقت کے متلاشی اور مکاشفے کے مرتبے تک پہنچنے والے خواہشمندوں کے لئے ظاہری الفاظ کے لباس میں پوشیدہ باطنی معنی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اے خدا! اشیاء کی حقیقت کو جیسی وہ ہیں، ہم پر ظاہر کر[۳۰] تاکہ ہم ظاہری الفاظ وصورتوں کے فریب میں نہ آئیں اور ہر چیز اور ہر شخص کے ارادے کو، جیسا کہ اس کے باطن میں ہے، اچھا یا برا، لفظ، آواز اور گفتگو، کے بغیر ہی سمجھ سکیں۔[۳۱]

حواشی

۱- اس بیت میں عدم سے مراد عالم اعیان و معانی ہے۔ جو خارجی وجود کے اعتبار سے معدوم ہے۔ ملاحظہ کیجئے: رینولڈ نکلسن، شرح مثنوی معنوی مولوی، ترجمہ حسن لاہوتی، ۱۳۷۴، ج ۱، ص ۴۲۸۔ اس کے بعد اسی شرح کے حوالے دیے جائیں گے۔

۲- ملاحظہ کیجئے Liwis. D. Franklin, Rumi: (Past and Present). The Life, Teaching and Poetry of Jalaluddin Rumi, London, 2000, p. 396، حسن لاہوتی کی اس کتاب کا فارسی ترجمہ کردیا ہے جو "مولانا از دیروز تا امروز" کے نام سے شرنامک شائع کررہا ہے۔

۳- روضۃ الجنان و روح فی تفسیر القرآن، مشہور بہ تفسیر ابوالفتوح رازی، تالیف حسین بن علی بن محمد بن احمد الخزاعی النیشابوری، جو محمد جعفر یاحقی اور ڈاکٹر محمد مہدی ناصح کی کوششوں سے بیس جلدوں میں بنیاد پژوہشہای اسلامی، مشہد سے شائع ہوئی ہے۔

۴- کشف الاسرار و عدۃ الابرار، معروف بہ تفسیر خواجہ عبد اللہ انصاری، تالیف ابوالفضل رشید الدین المیبدی، علی اصغر حکمت کی کوشش سے امیر کبیر، تہران نے شائع کی تھی۔

۵- دیکھئے سید حسین نصر کا مقالہ اس کتاب میں:
Peter Chelkonrki, ed., The Scholar and the Saint: Studies in Commemoration of Jalaluddin Rumi (New York, Hagup Kew or Kian Centre for Near Eastern Studies, New York University Press, 1975) p. 183 دانشمند و محقق عزیز دوست و بزرگوار جناب بہاء الدین خرمشاہی، کتاب "مآخذ قرآنی مثنوی" قطر سے شائع کرنے والے ہیں۔

۶- آنامیری شمل، شکوہ شمس، سیری در افکار و آثار مولانا، ترجمہ حسن لاہوتی، ۱۳۶۷، ص ۵۱۱، کبھی اس بیت اور اس سے قبل اور بعد کی ابیات کو شیخ بہائی سے نسبت دیتے ہیں۔

۷- مثنوی معنوی میں آیت و لتعرفنهم فی لحن القول کی تفسیر میں، نیکلسن نے تصحیح کی ہے اور اسے ڈاکٹر نصر اللہ پور جوادی نے تہران سے ۱۳۶۳ میں شائع کی ہے۔ دفتر سوم، بہ عنوان ۷۹۰ بیت سے جو حضرت علیؑ سے اس کی تفسیر میں روایت ہے، لیا گیا ہے۔ یہ کتاب آئندہ حواشی میں م ن، سے یاد کی جائے گی۔

۸- "تفسیر و هو معکم" م ن ۵، ۱۰۷۳ بیت سے پہلے کا عنوان، "تفسیر و هو معکم" م ن ۱، ۱۵۰۹ سے قبل کی بیت۔

۹- دوسرا مصرع اس کی طرف اشارہ کرتا ہے: "من رأی الحق" پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو مجھے دیکھتا ہے وہ خدا کو دیکھتا ہے، بن: مشارق الدراری، تصحیح استاد سید جلال الدین آشتیانی، ص ۲۷۲-۲۶۰، نیز بدیع الزماں فروزانفر، احادیث

مثنوی، تہران ۱۳۶۱، ص ۶۳، ش ۱۶۳ اس کے بعد مولانا نے اسی حدیث کا ایک دوسری جگہ اس طرح ترجمہ کیا ہے:

چون مرا دیدی خدا را دیده ای گرد کعبہ صدق بر گردیده ای

(م ن، ۲/۲۲۴۷)

۱۰- م ن، ۳/۱۸۹۷

۱۱- م ن، ۳، بیت ۴۲۴۴ سے قبل کا عنوان، رک: احادیث، ص ۸۳، ش ۲۲۷، بن: شرح نکلسن، ج ۳، ص ۱۳۱۷ جہاں اسی حدیث کو سہل بن عبداللہ تستری (ف ۲۸۳) غزالی اور ابن عربی کی روایت کے مطابق دوسری صورتوں میں نقل کیا گیا ہے۔

۱۲- شرح نکلسن، ج ۳، ص ۱۳۱۷، امیر المومنین حضرت علیؑ قرآن کی ہر آیت کو چار معنی کا حامل سمجھتے ہیں، ظاہر، باطن، حد اور مطلع۔ ظاہر تلاوت، باطن فہم، حد عبارت ہے حلال وحرام کے احکام سے، مطلع مشتمل ہے اس پر کہ خداوند تعالی کو اپنی آیات میں بندوں سے مراد ہوتی ہے۔ دیکھیے وہی مأخذ، ص ۱۴۳۰، ش ۷۵۵

۱۳- سورہ بقرہ کی ۲۳ ویں، اور سورہ اسراء کی ۸۸ ویں آیات کی طرف اشارہ ہے۔

۱۴- دیکھیے: شرح نکلسن، ج ۱، ص ۸-۳۷، ۱۳، ج ۲، ص ۱۹-۶۱۸۔

۱۵- دیکھیے: احادیث، ص ۲۲۶، یہ عرض کردیا جائے کہ نکلسن کی شرح میں دوسری احادیث بھی ہیں جن سے مولانا نے استفادہ کیا ہے اور اس مجموعے پر ان کا اضافہ ہونا چاہئے۔

۱۶- م ن، ۱، بیت ۱۳۷۳ سے قبل۔

۱۷- م ن، ۱، بیت ۳۲۲۳ سے قبل، م ن، ۲/۸۱-۳۸۰، م ن، ۵/۱۰۴۵ کے بعد اور اس کا عنوان۔

۱۸- احادیث، ش ۴۲۔

۱۹- ایضاً، ش ۴۳: من كان الله كان الله له

۲۰- ایضاً، ش ۲۵۳، لا صلاة لمن لا طهور له

۲۱- ایضاً، ش ۴۷۰، ماضاق مجلس بمتحابين

۲۲- ایضاً، ش ۶۳

۲۳- آیت ۱۸، سورہ کہف کے لغوی معنی: اور انہیں بیدار سمجھا جب کہ وہ سو رہے تھے اور انہیں الٹے سے سیدھے سے الٹی طرف کرتے ہیں اور ان کے کتے نے غار کے دروازے پر اپنے بازو پھیلا دیے تھے۔ جب ان کو دیکھتا تھا، تو پیٹھ کر لیتا تھا اور فرار کر جاتا تھا اور ان سے ہراساں ہوتا تھا۔ (ترجمہ خرمشاہی)

۲۴- احادیث، ش ۱۸۸۔

۲۵- دیکھیے بدیع الزمان فروزانفر، اخذ وقصص وتمثیلات مثنوی، طبع سوم، تہران ۱۳۶۱، ص ۱۲-۱۱، کلیلہ و دمنہ، باب الاسد والثور، چاپ قریب۔

۲۶- بدیع الزمان فروزانفر، شرح مثنوی شریف، ج ۲ طبع دوم، تہران ۱۳۶۱، ص ۳۳۷۔

۲۷-م ن، ۱/۱۳۸۹-۹۰۰۔

۲۸- احادیث، ص ۴۱، ش ۱۰۴۔

۲۹- ایضاً، ص ۱۴، ش ۳۳: اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله عز وجل۔

۳۰- ایضاً، ص ۴۵، ش ۱۶: اللهم ارنا الاشیاء کماهی

۳۱-مثنوی نکلسن، ج ۱، ابیات ۳۰-۱۷۲۹